Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 02, April - June 2026, **PP**: 113-124
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

قرآنی قصص میں معاشرتی تعلقات کے مثبت رویے اور ان کی عصری معنویت: ایک تجزیاتی مطالعہ

Positive Social Values in the Qur'anic Narratives and Their Contemporary Significance: An Analytical Study

1. **Saima Batool** saimabatooltmn@gmail.com	*Ph. D. Scholar,* *Department of Quran and Tafseer,* *Allama Iqbal Open University, Islamabad.*
2. **Dr. Souaad Muhammad Abbas** souaad.muhammad@aiou.edu.pk	*Assistant Professor,* *Department of Quran and Tafseer,* *Allama Iqbal Open University, Islamabad.*

How to Cite:	Saima Batool and Dr. Souaad Muhammad Abbas. 2026: "Positive Social Values in the Qur'anic Narratives and Their Contemporary Significance: An Analytical Study". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (02): 113-124.		
Article History:	**Received**: 15-05-2026	**Accepted**: 25-06-2026	**Published**: 28-06-2026
Copyright:	**©The Authors**		
Licensing:	This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.		
Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

قرآنی قصص میں معاشرتی تعلقات کے مثبت رویے اور ان کی عصری معنویت: ایک تجزیاتی مطالعہ

Positive Social Values in the Qur'anic Narratives and Their Contemporary Significance: An Analytical Study

1. **Saima Batool**
Ph. D. Scholar,
Department of Quran and Tafseer, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
saimabatooltmn@gmail.com

2. **Dr. Souaad Muhammad Abbas**
Assistant Professor,
Department of Quran and Tafseer, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
souaad.muhammad@aiou.edu.pk

Abstract

This article studies positive social behaviours in the Qur'anic narratives and explains their contemporary relevance. It argues that Qur'anic stories are not merely historical accounts; they are ethical, social, and reformative models. Through an analytical reading of selected narratives, Adam, Noah, Abraham, Joseph, Moses, Shuʿayb, David, Solomon, Luqman, Maryam, the People of the Cave, and earlier communities, the article identifies the core values that build healthy relations: forgiveness, compassion, kinship, respectful speech, patience, hospitality, modesty, honesty, knowledge, responsibility, and justice. It also shows that social collapse begins when these values are replaced by envy, arrogance, oppression, immorality, fraud, economic exploitation, and moral indifference. The study concludes that the Qur'anic narratives provide a living framework for family reform, educational training, public communication, economic justice, and institutional ethics in the contemporary Muslim society. Their guidance is rooted in revelation but remains practical for modern life because human social needs have not changed in essence: people still need trust, mercy, justice, dignity, and moral discipline.

Keywords: *Qur'anic Narratives, Social Relations, Forgiveness, Family Ethics, Contemporary Relevance, Islamic Society.*

تعارف

قرآن مجید کا اسلوبِ قصص انسانی ذہن اور انسانی معاشرے دونوں سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ انسان محض دلیل سے نہیں بدلتا؛ وہ مثال، تجربہ، واقعہ اور انجام سے بھی سیکھتا ہے۔ اسی لیے قرآن نے ہدایت کو صرف احکام کی صورت میں نہیں رکھا بلکہ انبیاء، صالحین، خاندانوں، قوموں اور تہذیبوں کے واقعات کے ذریعے انسانی زندگی کے اخلاقی نقشے کو واضح کیا۔ قصہ یوسف میں عفو، قصہ ابراہیم میں مہمان نوازی، قصہ موسیٰ میں صبر و قیادت، قصہ شعیب میں معاشی دیانت، قصہ مریم میں پاکدامنی، قصہ لقمان میں تربیتِ اولاد اور قصہ اصحابِ کہف میں ایمانی رفاقت کا نمونہ ملتا ہے۔

اس مقالے کا مرکزی سوال یہ ہے کہ قرآنی قصص میں معاشرتی تعلقات کے کون سے مثبت رویے نمایاں ہوتے ہیں، اور آج کے معاشرے میں ان کی عملی معنویت کیا ہے؟ یہ سوال اس لیے اہم ہے کہ جدید دور میں قانون، معیشت، ٹیکنالوجی اور اداروں کی ترقی کے باوجود انسانی تعلقات کمزور ہو رہے ہیں۔ خاندان ٹوٹ رہا ہے، گفتگو میں تلخی بڑھ رہی ہے، اختلاف دشمنی میں بدل جاتا

ہے، معاشی لین دین میں بداعتمادی پیدا ہوتی ہے، اور سماجی رابطے اخلاقی ذمہ داری کے بجائے فوری فائدے کے تابع ہوتے جا رہے ہیں۔ قرآن ان مسائل کو صرف سماجی خرابی نہیں سمجھتا بلکہ اخلاقی اور روحانی بحران بھی قرار دیتا ہے۔

لغوی اعتبار سے قصص کا مادہ "ق ص ص" ہے جس میں نشانِ قدم کی پیروی اور واقعہ کو ترتیب سے بیان کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنی قصص کا مقصد صرف قصہ سنانا نہیں بلکہ قدم بہ قدم ہدایت کے آثار دکھانا ہے[1]۔ اسی معنی کو قرآن نے بھی "فارتدا علىٰ آثارهما قصصا" میں ظاہر کیا کہ دونوں اپنے نشاناتِ قدم پر واپس چلے[2]۔

قرآن خود قصص کے مقصد کو عبرت، تثبیتِ قلب، موعظت اور حق کی توضیح قرار دیتا ہے۔ سورۂ ہود میں فرمایا گیا کہ رسولوں کے واقعات آپ کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے بیان کیے جاتے ہیں[3]۔ سورۂ یوسف کے آخر میں بتایا گیا کہ ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے[4]۔ اس بنا پر قرآنی قصص ایک زندہ تربیتی سرمایہ ہیں، ان سے فرد کی اصلاح بھی ہوتی ہے اور اجتماعی زندگی کی سمت بھی درست ہوتی ہے۔

تحقیقی منہج اور دائرۂ بحث

یہ مطالعہ تجزیاتی منہج پر مبنی ہے۔ اس میں قرآنی قصص کو معاشرتی تعلقات کے زاویے سے پڑھا گیا ہے، پھر ان سے مثبت رویوں کو اخذ کیا گیا ہے۔ بنیادی توجہ ان رویوں پر ہے جو معاشرے کو جوڑتے، انسان کو انسان سے قریب کرتے، خاندان کو مستحکم بناتے، گفتگو کو شائستہ کرتے، اختلاف کو برداشت میں بدلتے، اور معاشی و سیاسی زندگی میں عدل و اعتماد پیدا کرتے ہیں۔ اس مضمون میں جن مصادر سے استفادہ کیا گیا ان میں قرآن مجید، تفاسیر، علوم القرآن، لغت اور اسلامی معاشرت سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔

قرآنی قصص: معنی، مقصد اور سماجی افادیت

قرآنی قصص کو عام تاریخی بیانیہ سمجھنا درست نہیں۔ تاریخ میں واقعات کی ترتیب بنیادی ہوتی ہے، مگر قرآن میں واقعہ کا اخلاقی اور ہدایتی پہلو اصل مقصد ہے۔ اسی لیے قرآن کبھی ایک واقعہ کو مختصر بیان کرتا ہے، کبھی ایک ہی قصے کے مختلف پہلو مختلف سورتوں میں لاتا ہے، اور کبھی کسی کردار کا نام لیے بغیر اس کی صفت کو نمایاں کر دیتا ہے۔ اس اسلوب میں گہری حکمت ہے۔ قاری شخصیات کے ظاہری ناموں میں نہیں الجھتا بلکہ کردار، رویہ اور انجام پر نظر رکھتا ہے۔

علوم القرآن کے علما نے قصص القرآن کو گذشتہ امتوں، سابق انبیاء، ان کے مخاطبین، اور عبرت آموز واقعات کی خبر قرار دیا ہے[5]۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ایام اللہ کے عنوان سے ان واقعات کی طرف اشارہ کیا جن میں اطاعت کے نتائج اور نافرمانی کے انجام کو نمایاں کیا گیا[6]۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو قرآنی قصص معاشرے کی اخلاقی لیبارٹری ہیں۔ یہاں انسان دیکھتا ہے کہ حسد کا انجام کیا ہوا، عفو نے ٹوٹے ہوئے گھر کو کیسے جوڑا، معاشی بددیانتی نے قومِ مدین کو کس طرح برباد کیا، اقتدار اگر علم و عدل کے تابع ہو تو داؤد و سلیمان جیسا نمونہ کیسے پیدا ہوتا ہے اور جوانی اگر ایمان کے لیے کھڑی ہو تو اصحابِ کہف کی صورت میں تاریخ کا زندہ استعارہ بن جاتی ہے۔

معاشرتی تعلقات کا قرآنی تصور

قرآن کے نزدیک معاشرہ محض افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک اخلاقی نظم ہے۔ اس نظم کی بنیاد توحید، تقویٰ، عدل، رحم، امانت اور ذمہ داری پر ہے۔ اگر یہ بنیادیں باقی رہیں تو کمزور معاشرہ بھی قوت پکڑ لیتا ہے اور اگر یہ بنیادیں ختم ہو جائیں تو طاقتور قوم بھی اندر سے کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ ابن خلدون نے انسان کو فطرتاً مدنی قرار دیا، یعنی وہ اپنی بقا اور ترقی کے لیے اجتماعی زندگی کا محتاج ہے[7]۔

قرآن اس مدنیت کو اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ جوڑتا ہے۔

قرآنی قصص میں معاشرتی تعلقات کے دو دائرے نمایاں ہیں: ایک دائرہ خون، خاندان اور نسب کا ہے؛ دوسرا دائرہ ایمان، حق اور اخلاق کا ہے۔ قرآن خون کے رشتوں کو ختم نہیں کرتا، بلکہ انہیں احترام، صلہ رحمی اور ذمہ داری کے ساتھ قائم رکھتا ہے۔ لیکن جب خون کا رشتہ حق کے خلاف کھڑا ہو جائے تو قرآن نظریاتی اور اخلاقی رشتے کو ترجیح دیتا ہے۔ نوح علیہ السلام کے بیٹے کا واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ محض نسب نجات کی ضمانت نہیں[8]۔ اسی طرح قصہ یوسف میں بھائیوں کا خونی رشتہ حسد سے آلودہ ہوا، مگر یوسف علیہ السلام نے اقتدار ملنے کے بعد اس رشتے کو انتقام کے بجائے عفو سے بحال کیا[9]۔ یہ قرآنی تصور بتاتا ہے کہ رشتے صرف پیدا نہیں ہوتے، انہیں اخلاق سے محفوظ بھی رکھا جاتا ہے۔

عائلی تعلقات: خاندان معاشرے کی پہلی درس گاہ

خاندان قرآن کی نظر میں معاشرے کا بنیادی ادارہ ہے۔ آدم علیہ السلام کا قصہ انسان کی اصل وحدت کو ظاہر کرتا ہے۔ تمام انسان ایک ہی جوڑے سے پھیلے، اس لیے کسی قوم، زبان یا طبقے کو دوسرے پر فطری برتری حاصل نہیں۔ یہ تصور جدید انسانی مساوات کے لیے بھی بنیادی ہے، کیونکہ رشتۂ انسانیت تمام مصنوعی تقسیموں سے پہلے موجود ہے۔ خاندانی تعلقات میں والدین کا احترام، اولاد کی تربیت، زوجین کے درمیان رحمت، بھائیوں میں خیر خواہی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک بنیادی اصول ہیں۔ لقمان علیہ السلام کی نصیحتیں اس باب میں نہایت اہم ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو توحید، والدین کے حق، نماز، امر بالمعروف، صبر، عاجزی اور نرم چال کی تعلیم دی[10]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تربیت صرف معلومات منتقل کرنے کا نام نہیں۔ یہ عقیدہ، عبادت، کردار اور سماجی آداب کی جامع تشکیل ہے۔

آج کے دور میں خاندان کو دو خطرات لاحق ہیں: ایک جذباتی دوری اور دوسرا اخلاقی بے سمتی۔ موبائل، مصروفیت، معاشی دباؤ اور انفرادی آزادی کی غلط تعبیر نے گھر کے اندر گفتگو کم کر دی ہے۔ قرآنی قصص کا پیغام یہ ہے کہ گھر صرف رہائش گاہ نہیں بلکہ اخلاقی تربیت کا مرکز ہے۔ اگر گھر میں عفو، حیا، صبر، احترام، خدمت اور دعا باقی رہے تو معاشرہ بھی محفوظ رہتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام: عفو، اخوت اور جذباتی شفا

قرآن میں سورۂ یوسف کو احسن القصص کہا گیا ہے[11]۔ اس قصے میں خاندان، حسد، جدائی، غلامی، آزمائش، اقتدار، عفو اور دوبارہ ملاپ کے تمام پہلو یکجا نظر آتے ہیں۔ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ سخت ظلم کیا، انہیں کنویں میں پھینکا، والد کو غم میں مبتلا کیا، اور خاندان کو طویل عرصہ تک اذیت دی۔ عام انسانی ردعمل انتقام ہو سکتا تھا، مگر یوسف علیہ السلام نے کہا: "آج تم پر کوئی ملامت نہیں"[12]۔ یہ آیت معاشرتی تعلقات کے لیے غیر معمولی اصول دیتی ہے۔ عفو صرف کمزور کا مجبورانہ سکوت نہیں؛ عفو اس وقت سب سے زیادہ بلند اخلاق بنتا ہے جب انسان بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہو مگر اصلاح اور جوڑنے کو ترجیح دے۔ اسی لیے مفسرین نے یوسف علیہ السلام کے عفو کو اعلیٰ نبوی اخلاق کا نمونہ قرار دیا[13]۔

عصر حاضر میں خاندانوں، برادریوں اور اداروں میں بہت سے جھگڑے پرانی باتوں کے بوجھ سے بڑھتے رہتے ہیں۔ لوگ معافی کو کمزوری سمجھتے ہیں، حالانکہ قرآنی تصور میں معافی تعلقات کی مرمت کا سب سے طاقتور ذریعہ ہے۔ یوسف علیہ السلام کا نمونہ ہمیں بتاتا ہے کہ ماضی کو بھلانا ہمیشہ ممکن نہیں، لیکن ماضی کو انتقام کے ایندھن کے بجائے اصلاح کے سبق میں بدلا جا سکتا ہے۔

عفو و درگزر: معاشرتی استحکام کا ستون

عفو و درگزر قرآنی قصص کا مرکزی مثبت رویہ ہے۔ انسانی معاشرہ غلطیوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر ہر غلطی کا جواب سختی، تذلیل اور انتقام سے دیا جائے تو تعلقات ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن عفو کو محض ذاتی فضیلت نہیں بلکہ اجتماعی ضرورت بناتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی عفو، صفح اور حسنِ خلق کی تعلیم دی گئی[14]۔

عفو کا تعلق عدل سے متصادم نہیں۔ جہاں جرم اجتماعی حق کو پامال کرے وہاں عدل ضروری ہے۔ لیکن جہاں ذاتی رنجش، خاندانی تلخی یا سماجی غلط فہمی ہو وہاں عفو دلوں کو نرم کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو معاف کیا، مگر معاشرے کے نظم کو تباہ نہیں کیا۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر نبوی عفو نے دشمنی کو اسلام کی اجتماعی قوت میں تبدیل کیا۔ اگرچہ یہ واقعہ قرآنی قصص میں نہیں، مگر قرآنی اخلاق کا عملی ظہور ہے۔

آج سوشل میڈیا کی دنیا میں ایک چھوٹی غلطی پورے انسان کی شخصیت کو مٹا دینے کا سبب بن جاتی ہے۔ قرآنی قصص ہمیں "اصلاحی عفو" سکھاتے ہیں؛ یعنی غلطی کو غلطی کہنا، مگر انسان کے لیے واپسی کا دروازہ کھلا رکھنا۔ یہ رویہ گھر، مدرسہ، مسجد، دفتر، سیاست اور میڈیا ہر جگہ ضروری ہے۔

ہمدردی و خیر خواہی: نبیوں کا سماجی مزاج

انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں ہمدردی بنیادی صفت ہے۔ وہ قوموں سے بدلہ لینے نہیں آئے؛ وہ ان کی نجات کے خواہاں تھے۔ نوح علیہ السلام نے طویل عرصہ تک قوم کو سمجھایا، ان کی تکذیب برداشت کی، مگر دعوت ترک نہیں کی[15]۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون جیسے سرکش حاکم کے سامنے بھی نرم بات کرنے کا حکم پایا: "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا"[16]۔ یہاں ایک بڑا سماجی اصول سامنے آتا ہے کہ اصلاح کا آغاز خیر خواہی سے ہوتا ہے، حقارت سے نہیں۔ جب مصلح اپنے مخاطب کو ذلیل کرنے لگے تو دعوت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ قرآن کی دعوتی زبان سخت حقیقت بھی کہتی ہے، مگر انسانی خیر خواہی کو نہیں چھوڑتی۔ مفسرین نے اس آیت سے دعوت میں نرمی، حکمت اور مخاطب کی نفسیات کا لحاظ اخذ کیا ہے[17]۔

معاصر معاشرے میں خیر خواہی کا بحران نمایاں ہے۔ سیاسی اختلاف نفرت بن جاتا ہے، مسلکی اختلاف تکفیر میں بدلتا ہے، خاندانی اختلاف قطع تعلق تک پہنچتا ہے۔ قرآنی قصص کہتے ہیں کہ اصلاح کا حق اسی کو زیب دیتا ہے جس کے دل میں دوسرے کے لیے خیر ہو۔ اگر دل میں خیر نہیں، تو زبان کا حق بھی تلخ ہو جاتا ہے۔

اخوت اور صلہ رحمی: رشتوں کو اہمیت دینا

اخوت صرف بھائی بھائی کے رشتے کا نام نہیں بلکہ یہ ایمان، انسانیت اور مشترک ذمہ داری کا احساس ہے۔ قصہ یوسف میں اخوت کا بگاڑ حسد سے شروع ہوا اور عفو پر ختم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشتوں کو قائم رکھنے کے لیے صرف نسب کافی نہیں۔ دل کی صفائی، انصاف، گفتگو اور معافی بھی ضروری ہے۔ صلہ رحمی قرآن کے عمومی احکام میں بھی اہم ہے اور قصص کے اندر بھی اس کی عملی صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی غلطی کے باوجود دعا اور صبر کا راستہ اختیار کیا[18]۔ یہ رویہ والدین کے لیے بھی سبق ہے کہ اولاد کی غلطی پر تربیتی صبر، دعا اور حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

آج رشتے رسمی ہوتے جا رہے ہیں۔ صلہ رحمی صرف شادی، جنازہ یا تہوار پر ملاقات تک محدود نہیں رہنی چاہیے۔ اس کا

مطلب ہے خبر گیری، مالی و اخلاقی مدد، بزرگوں کا احترام، کمزور رشتہ داروں کا خیال، اور اختلاف کے باوجود تعلق کا دروازہ بند نہ کرنا۔ قرآن کا خاندانی تصور جدید تنہائی کے مرض کا علاج ہے۔

طرزِ گفتگو: نرم کلامی، صداقت اور وقار

قرآنی قصص میں گفتگو ایک اخلاقی عمل ہے۔ انسان اپنے الفاظ سے دل بھی جوڑتا ہے اور معاشرہ بھی توڑتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نرم بات کرنے کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ حق کی قوت بدزبانی کی محتاج نہیں[19]۔ لقمان علیہ السلام نے بیٹے کو آواز پست رکھنے اور تکبر سے بچنے کی نصیحت کی[20]۔ قرآن کے مطابق اچھا کلام صدق، نرمی، حکمت اور خیر خواہی سے بنتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے جیل میں بھی اپنے ساتھی قیدیوں سے دعوتی گفتگو کی، پہلے ان کی نفسیات کو سمجھا، پھر توحید کی دعوت دی[21]۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحیح بات کا وقت، طریقہ اور لہجہ بھی اہم ہے۔

آج کے دور میں گفتگو کا بڑا حصہ ڈیجیٹل ہو چکا ہے۔ تبصرے، پوسٹس، ویڈیوز، واٹس ایپ پیغامات اور سیاسی مباحث میں زبان کا معیار تیزی سے گرا ہے۔ قرآنی قصص کا اصول یہ ہے کہ زبان انسان کے اخلاق کی نمائندہ ہے۔ جو زبان دوسروں کی عزت نہیں بچاتی، وہ حق کی خدمت بھی کم کرتی ہے۔

صبر و استقامت: اصلاح کا طویل راستہ

قرآنی قصص بار بار بتاتے ہیں کہ اصلاح فوری نتیجہ نہیں دیتی۔ نوح علیہ السلام نے صبر کیا، ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت اور آزمائشیں برداشت کیں، موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی کمزوریوں اور فرعون کی سرکشی کا مقابلہ کیا، یوسف علیہ السلام نے کنویں، غلامی، تہمت اور قید کے مراحل دیکھے۔ یہ سب واقعات بتاتے ہیں کہ اخلاقی زندگی میں صبر بنیادی قوت ہے۔ صبر کا معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا نہیں بلکہ صبر حق پر قائم رہنے، جذبات کو قابو میں رکھنے، وقت سے پہلے فیصلہ نہ کرنے، اور اللہ کی حکمت پر اعتماد رکھنے کا نام ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے "صبر جمیل" کہا[22]۔ صبر جمیل وہ صبر ہے جس میں شکوہ، بددعا، بدگمانی اور اخلاقی ٹوٹ پھوٹ نہ ہو۔

معاصر سماجی بحران میں فوری ردعمل نے صبر کو کمزور کر دیا ہے۔ لوگ فوراً فیصلہ، فوراً جواب، فوراً سزا اور فوراً شہرت چاہتے ہیں۔ قرآنی قصص انسان کو بتاتے ہیں کہ بڑے اخلاقی نتائج وقت لیتے ہیں۔ خاندان، تعلیم، قیادت، دعوت اور معاشی اصلاح سب صبر کے بغیر نامکمل رہتے ہیں۔

مہمان نوازی اور سماجی کشادگی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ مہمان نوازی کا نہایت روشن نمونہ پیش کرتا ہے۔ جب فرشتے انسانی شکل میں آئے تو انہوں نے تاخیر کے بغیر بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا[23]۔ اس واقعہ میں کئی آداب ہیں مثلاً مہمان کو عزت دینا، کھانا پیش کرنے میں تاخیر نہ کرنا، مہمان کی ضرورت کا خیال رکھنا، اور گھر کو سخاوت کا مرکز بنانا۔ مہمان نوازی صرف کھانے کا نام نہیں۔ یہ دل کی کشادگی ہے۔ جو معاشرہ مہمان، مسافر، پڑوسی، اجنبی اور ضرورت مند کے لیے جگہ رکھتا ہے، وہ سخت دل نہیں بنتا۔ ابراہیمی سنت انسان کو اپنے گھر اور مال کو صرف ذاتی ملکیت نہیں بلکہ خدمت کا ذریعہ سمجھنا سکھاتی ہے۔

آج شہری زندگی میں تنہائی بڑھ رہی ہے۔ فلیٹ کلچر، مصروفیت اور اعتماد کے بحران نے گھروں کو بند کر دیا ہے۔ قرآنی قصص کا پیغام یہ ہے کہ احتیاط کے ساتھ سماجی خیر، مہمان نوازی، پڑوسی داری اور خدمت کا جذبہ زندہ رہے۔

حیا اور پاکدامنی: یوسف و مریم علیہم السلام

حیا قرآنی معاشرت میں فرد اور معاشرے دونوں کی حفاظت کرتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جوانی، تنہائی، دباؤ اور ظاہری اسباب کے باوجود گناہ سے پناہ مانگی[24]۔ حضرت مریم علیہا السلام کی شخصیت پاکدامنی، عبادت، اعتماد اور اللہ کے انتخاب کا نمونہ ہے[25]۔ یہ واقعات حیا کو کمزوری نہیں بلکہ اخلاقی قوت بناتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کا "معاذ اللہ" صرف ذاتی پرہیزگاری نہیں بلکہ یہ ایک معاشرتی اصول ہے کہ خواہش کو قانون، اخلاق، وفاداری اور اللہ کے خوف کے تابع رہنا چاہیے۔ جب معاشرہ خواہش کو آزادی کا واحد معیار بنالے تو خاندان، اعتماد اور پاکیزہ تعلقات کمزور ہو جاتے ہیں۔

آج میڈیا، اشتہار، تفریح اور ڈیجیٹل ثقافت نے حیا کے تصور کو چیلنج کیا ہے۔ قرآنی قصص اس چیلنج کا جواب نفرت یا خوف سے نہیں بلکہ کردار کی تعمیر سے دیتے ہیں۔ نوجوانوں کو صرف منع کرنا کافی نہیں؛ انہیں یوسف علیہ السلام کی طرح اندرونی اخلاقی قوت، دعا، مقصدیت اور پاکیزہ ماحول دینا ضروری ہے۔

علم، دیانت اور ذمہ داری: موسیٰ، خضر، داؤد و سلیمان

قرآن میں علم کا تعلق عمل اور ذمہ داری سے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ میں علم، صبر، محدود انسانی فہم اور اللہ کی حکمت کے پہلو سامنے آتے ہیں[26]۔ اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر واقعہ کو فوری ظاہری معیار سے نہیں پرکھنا چاہیے۔ علم کے ساتھ تواضع بھی ضروری ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے میں فیصلہ کرتے وقت عدل، جلد بازی سے پرہیز اور اللہ کی طرف رجوع کا سبق ملتا ہے[27]۔ سلیمان علیہ السلام کے قصے میں اقتدار، علم، نظم، شکر اور عالمی مکالمے کا نمونہ موجود ہے[28]۔

معاصر اداروں کے لیے یہ قصص نہایت اہم ہیں۔ علم اگر دیانت کے بغیر ہو تو چالاکی بن جاتا ہے، اور اقتدار اگر شکر و عدل کے بغیر ہو تو ظلم بن جاتا ہے۔ قرآنی نمونہ یہ ہے کہ عالم متواضع ہو، قاضی عادل ہو، حکمران شکر گزار ہو، اور صاحبِ قوت اپنی قوت کو عوامی خیر کے لیے استعمال کرے۔

معاشی دیانت: قومِ شعیب کا سبق

قرآنی قصص میں معاشی بددیانتی کو بڑا اجتماعی جرم قرار دیا گیا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی، لوگوں کے حقوق مارنے اور زمین میں فساد پھیلانے سے روکا[29]۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ معاشی اخلاق دین کے حاشیے پر نہیں بلکہ مرکز میں ہے۔ ناپ تول میں کمی صرف ترازو کی کمی نہیں۔ آج اس کی صورتیں بہت وسیع ہیں۔ مثال کے طور پر ناقص مال کو اچھا بتانا، جھوٹا اشتہار، ملاوٹ، جعلی ڈگری، مزدور کا حق روکنا، ٹیکس چوری، رشوت، ڈیجیٹل فراڈ، اور معاہدے کی خلاف ورزی۔ قرآن ان سب کو اعتماد کی تباہی سمجھتا ہے۔ قومِ مدین کی تباہی کا سبب صرف عقیدے کا انکار نہیں تھا، بلکہ معاشی ظلم بھی تھا۔

معاصر مسلم معاشرے میں دینی گفتگو عبادات پر تو ہوتی ہے، مگر کاروباری اخلاق پر کم ہوتی ہے۔ قرآنی قصص تقاضا کرتے ہیں کہ بازار، دفتر، صنعت، عدالت، بینک، تعلیمی ادارہ اور حکومت سب جگہ دیانت کو ایمان کا عملی معیار سمجھا جائے۔

عدل اور اجتماعی نظم: قرآنی قصص کی سیاسی معنویت

قرآن کے قصص صرف فرد اور خاندان تک محدود نہیں۔ وہ اقتدار اور اجتماعی نظم پر بھی بات کرتے ہیں۔ طالوت و جالوت کے واقعہ میں قیادت، اہلیت، صبر، نظم اور ایمان کی قوت نمایاں ہے[30]۔ داؤد علیہ السلام کے قصے میں فیصلہ اور حکومت کے اخلاق

سامنے آتے ہیں[31]۔ ملکۂ سبا کا واقعہ سیاسی حکمت، مشاورت اور حق قبول کرنے کی صلاحیت کا نمونہ ہے۔ وہ اپنی قوم سے مشورہ کرتی ہے، جلد بازی نہیں کرتی، طاقت کے نشے میں فیصلہ نہیں کرتی، اور جب حقیقت واضح ہو جاتی ہے تو اسے قبول کرتی ہے[32]۔

آج مسلم معاشروں میں سیاسی اختلاف اکثر اخلاق سے خالی ہو جاتا ہے۔ قرآنی قصص بتاتے ہیں کہ اقتدار کا معیار نسب، دولت یا شور نہیں بلکہ اہلیت، عدل، مشورہ، امانت، علم اور عوامی خیر ہے۔ سیاست اگر اخلاق سے جدا ہو جائے تو وہ فرعونی مزاج پیدا کرتی ہے اور اگر اخلاق کے تابع ہو تو سلیمانی خدمت بن سکتی ہے۔

ثقافتی تعلقات اور تہذیبی مکالمہ

قرآنی قصص میں تہذیبی مکالمہ بھی موجود ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بت پرست معاشرے سے عقلی سوالات کیے، مگر ان کی دعوت کا مقصد صرف رد نہیں بلکہ توحید کی طرف رہنمائی تھا[33]۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعونی نظام کے سامنے حق پیش کیا۔ سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا سے خط کے ذریعے مکالمہ کیا[34]۔ یہ قصص دکھاتے ہیں کہ اسلام بند تہذیب نہیں؛ وہ حق پر قائم رہتے ہوئے مکالمہ کرتا ہے۔ مکالمہ کا مطلب اصول چھوڑنا نہیں، اور اصول کا مطلب بدتمیزی نہیں۔ قرآن دلیل، مشاہدہ، دعوت، خط، گفتگو اور کردار سب کو اصلاح کے ذرائع بناتا ہے۔

آج عالمی دنیا میں مذہبی، ثقافتی اور فکری اختلافات بہت بڑھ گئے ہیں۔ قرآنی قصص ہمیں ایک متوازن رویہ دیتے ہیں کہ اپنے عقیدے میں واضح رہو، دوسروں سے گفتگو میں باوقار رہو، حق کو دلیل سے پیش کرو، اور طاقت کے بجائے اخلاق کو ترجیح دو۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر: اصلاح کی اجتماعی ذمہ داری

قرآنی قصص میں اصلاح ہمیشہ انفرادی نہیں رہتی؛ وہ اجتماعی ذمہ داری بنتی ہے۔ انبیاء اپنی قوموں کو نیکی کی دعوت دیتے اور برائی سے روکتے رہے۔ شعیب علیہ السلام نے معاشی فساد پر آواز اٹھائی، لوط علیہ السلام نے اخلاقی بے راہ روی سے روکا، موسیٰ علیہ السلام نے سیاسی ظلم کے مقابل حق کہا، اور ابراہیم علیہ السلام نے شرک کی فکری بنیاد کو چیلنج کیا۔ امر بالمعروف کا مطلب صرف خطبہ دینا نہیں بلکہ معروف کو قابلِ عمل بنانا بھی ہے۔ اگر معاشرے میں عدل، تعلیم، دیانت، حیا، صلہ رحمی، امانت اور خدمت کے ادارے نہ بنیں تو نیکی محض نصیحت رہ جاتی ہے۔ نہی عن المنکر کا مطلب بھی صرف مذمت نہیں؛ برائی کے اسباب کو کم کرنا، متبادل دینا، اور حکمت سے اصلاح کرنا ہے۔ آج تعلیمی اداروں، میڈیا، مساجد، خاندانوں اور ریاستی نظام کو مل کر ایک اخلاقی ماحول بنانا ہوگا۔ قرآنی قصص بتاتے ہیں کہ اصلاحی آواز کبھی آسان نہیں ہوتی، مگر اگر یہ آواز خیر خواہی، علم، صبر اور عدل کے ساتھ اٹھے تو معاشرے کے لیے رحمت بن جاتی ہے۔

منفی رویوں سے تقابل: حسد، تکبر، ظلم اور فحاشی

مثبت رویوں کو سمجھنے کے لیے قرآن منفی رویوں کے انجام بھی دکھاتا ہے۔ قابیل کا حسد قتل تک پہنچا[35]۔ برادرانِ یوسف کا حسد خاندان کو سالہا سال کے غم میں مبتلا کر گیا[36]۔ فرعون کا تکبر سیاسی ظلم میں بدلا[37]۔ قومِ لوط کی بے راہ روی اجتماعی اخلاق کی تباہی کا سبب بنی[38]۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ معاشرتی بگاڑ اچانک نہیں آتا۔ پہلے دل میں حسد، پھر زبان میں الزام، پھر عمل میں ظلم، پھر نظام میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح تکبر پہلے انسان کو نصیحت سے دور کرتا ہے، پھر وہ خود کو قانون سے بالا سمجھنے لگتا ہے، اور آخر کار دوسروں کے حقوق پامال کرتا ہے۔

آج بھی یہی ترتیب دیکھی جا سکتی ہے۔ حسد خاندانوں کو توڑتا ہے، تکبر اداروں کو خراب کرتا ہے، ظلم معاشی اور سیاسی بدامنی پیدا کرتا ہے، اور فحاشی تعلقات کو ذمہ داری سے الگ کر دیتی ہے۔ قرآن کا مثبت معاشرتی منصوبہ ان منفی جڑوں کو کاٹتا ہے۔

عصری معنویت: جدید معاشرے کے لیے قرآنی رہنمائی

قرآنی قصص کی عصری معنویت اس حقیقت میں ہے کہ انسان کی بنیادی اخلاقی ضرورتیں آج بھی وہی ہیں یعنی عزت، محبت، انصاف، اعتماد، حفاظت، مقصد، اور تعلق۔ ٹیکنالوجی نے ذرائع بدل دیے ہیں، مگر حسد، تکبر، ظلم، جھوٹ، بددیانتی اور خواہش پرستی کی بیماریاں آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح عفو، صبر، حیا، اخوت، دیانت، نرم کلامی اور عدل آج بھی اتنے ہی ضروری ہیں جتنے قدیم دور میں تھے۔ خاندانی سطح پر قصۂ یوسف معافی اور جذباتی شفا کا نمونہ ہے، لقمان کی نصیحتیں والدین اور بچوں کے تعلقات کا نصاب ہیں، مریم و یوسف کے قصے نوجوانوں کی پاکیزگی اور کردار سازی کے لیے رہنما ہیں۔ سماجی سطح پر موسیٰ و شعیب کے قصے ظلم اور معاشی بددیانتی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ سیاسی سطح پر داؤد و سلیمان کے قصے عدل، شکر، مشورہ اور اہلیت کو اصل معیار بناتے ہیں۔

تعلیمی اداروں میں قرآنی قصص کو صرف یاد کرنے کے لیے نہیں بلکہ کردار سازی کے لیے پڑھایا جانا چاہیے۔ ہر قصے کے ساتھ یہ سوال پوچھا جائے کہ اس واقعے میں کون سا مثبت رویہ ہے؟ آج میرے گھر، کلاس، دفتر، کاروبار یا معاشرے میں اس کا اطلاق کیسے ہو گا؟ اس طرح قرآن کا مطالعہ زندگی سے جڑ جائے گا۔

تعلیمی اطلاق: قرآنی قصص کو کردار سازی کا نصاب بنانا

قرآنی قصص کو تعلیمی نصاب میں صرف معلوماتی باب کے طور پر شامل کرنا کافی نہیں۔ اگر طالب علم صرف یہ جان لے کہ کون سا واقعہ کس سورت میں ہے، مگر اس سے اخلاقی فیصلہ سازی، گفتگو، ذمہ داری اور اجتماعی زندگی کا سبق نہ لے تو قصص کا اصل مقصد کمزور رہ جاتا ہے۔ تعلیمی اطلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر قصے کے ساتھ تین سوالات لازمی رکھے جائیں: اس قصے میں کون سا مثبت رویہ نمایاں ہے؟ اس رویے کی ضد کون سی خرابی ہے؟ اور آج کے گھر، سکول، بازار یا ریاست میں اس کا عملی استعمال کیا ہے؟ مثلاً قصۂ یوسف کو پڑھاتے ہوئے حسد، جھوٹ، صبر، پاکدامنی، تدبیر، معاشی منصوبہ بندی، عفو اور خاندان کی بحالی جیسے موضوعات پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔ قصۂ شعیب کو کاروباری اخلاق، صارفین کے حقوق، انصافِ بازار اور اجتماعی اعتماد کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔ قصۂ لقمان کو والدین کی تربیت، نوجوانوں کے آداب، گفتگو کے وقار اور عبادت و اخلاق کے تعلق کے طور پر پڑھایا جا سکتا ہے۔

اس انداز سے قرآنی قصص بچوں اور نوجوانوں کے لیے زندہ تجربہ بن جاتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ قرآن صرف ماضی کا بیان نہیں بلکہ ان کے روزمرہ فیصلوں، دوستوں کے انتخاب، سوشل میڈیا کے استعمال، امتحان میں دیانت، گھر میں لہجہ، اور معاشرے میں ذمہ داری سے متعلق براہ راست رہنمائی دے رہا ہے۔ یہی وہ تعلیمی معنویت ہے جس کے بغیر قصص کا مطالعہ محض حافظے کا کام رہ جاتا ہے۔

خاندانی مشاورت اور اصلاح: یوسف و یعقوب علیہم السلام سے رہنمائی

خاندانوں میں اختلاف فطری ہے، مگر اختلاف کو دشمنی میں بدلنا اخلاقی ناکامی ہے۔ قصۂ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی شخصیت ایک ایسے والد کی صورت میں سامنے آتی ہے جو اولاد کے رویوں کو سمجھتا ہے، خطرات کو محسوس کرتا ہے، مگر جلد بازی، بددعا یا تعلق توڑنے کا راستہ اختیار نہیں کرتا۔ وہ صبر جمیل کا اعلان کرتے ہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں[39]۔

معاصر خاندانی مشاورت میں یہ اصول بہت اہم ہے۔ والدین کو اولاد کے درمیان تقابل، حسد، عدم توجہ، جذباتی محرومی اور گفتگو کی کمی کو سنجیدگی سے لینا چاہیے۔ بہت سے گھریلو بحران اس لیے بڑھتے ہیں کہ والدین علامات کو دیر سے سمجھتے ہیں، یا سمجھ کر بھی مناسب گفتگو نہیں کرتے۔ قرآنی قصص یہ بتاتے ہیں کہ گھر میں عدل، محبت کی مساوی تقسیم، رازداری، دعا اور حکیمانہ نصیحت ضروری ہیں۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کا عفو خاندان کو دوبارہ جوڑنے کا نمونہ ہے۔ ہر گھر میں کچھ زخم ہوتے ہیں۔ اگر ہر فرد اپنے زخم کو آخری حقیقت بنا لے تو گھر کبھی نہیں بنتا۔ قرآن زخم کا انکار نہیں کرتا، مگر زخم کو انتقام کا مستقل سبب بھی نہیں بناتا۔ یہ خاندانی مشاورت کے لیے نہایت قیمتی اصول ہے۔

ڈیجیٹل عہد میں قرآنی اخلاق: زبان، حیا اور اعتماد

آج معاشرتی تعلقات کا بڑا حصہ ڈیجیٹل ذرائع سے تشکیل پا رہا ہے۔ لوگ موبائل پر ملتے، بحث کرتے، خرید و فروخت کرتے، رائے بناتے، دوستی کرتے اور کبھی نفرت بھی پھیلاتے ہیں۔ اس نئے ماحول میں قرآنی قصص کی معنویت مزید بڑھ جاتی ہے، کیونکہ قصص کے اصول ذریعے کے بدلنے سے نہیں بدلتے۔ نرم گفتگو کا حکم آن لائن تبصرے پر بھی لاگو ہے، دیانت کا حکم آن لائن کاروبار پر بھی لاگو ہے، حیا کا حکم ڈیجیٹل تصویر، ویڈیو اور پیغام پر بھی لاگو ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے سامنے نرم گفتگو کا حکم دیا گیا، تو عام انسان کو اختلافی پوسٹ یا تنقیدی تبصرہ لکھتے وقت زیادہ احتیاط کرنی چاہیے[40]۔ لقمان کی نصیحت میں آواز پست رکھنے کا حکم صرف جسمانی آواز نہیں بلکہ اظہار کے وقار کا اصول بھی ہے[41]۔

ڈیجیٹل عہد میں حیا کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی اور دوسروں کی عزت کو مواد نہ بنائے۔ اعتماد کا مطلب یہ ہے کہ خبر شیئر کرنے سے پہلے تحقیق کرے۔ اخوت کا مطلب یہ ہے کہ اختلاف میں بھی دوسرے کو ذلیل نہ کرے۔ عفو کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی پرانی غلطی کو ہمیشہ کے لیے اس کی پہچان نہ بنا دے۔ اس طرح قرآنی قصص جدید ابلاغ کو اخلاقی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

معاشرتی اداروں کے لیے اصولی حکمتِ عملی

قرآنی قصص سے ایک ایسی ااصولی حکمتِ عملی اخذ کیا جا سکتی ہے جو گھر سے ریاست تک ہر ادارے پر لاگو ہوتی ہے۔ اس کا پہلا اصول توحید اور جواب دہی ہے کہ ہر اختیار اللہ کے سامنے جواب دہ ہے۔ دوسرا اصول عدل ہے جس کے مطابق فیصلے تعلق، طاقت، دولت یا جذبات کے بجائے حق پر ہوں۔ تیسرا اصول امانت ہے کہ منصب، مال، علم اور زبان سب امانت ہیں۔ چوتھا اصول رحمت ہے کہ قانون کے ساتھ انسانی خیر خواہی باقی رہے۔ پانچواں اصول مشاورت ہے، جس کی مثال ملکۂ سبا کے واقعہ میں نظر آتی ہے کہ اس نے قومی معاملے میں اہلِ رائے سے مشورہ کیا[42]۔ چھٹا اصول دیانتِ معاش ہے، جسے شعیب علیہ السلام نے اپنی دعوت کا اہم حصہ بنایا[43]۔ ساتواں اصول تربیت ہے، جو لقمان کی نصیحتوں سے ظاہر ہے۔

اگر یہ اصول اداروں میں نافذ ہوں تو دینی تعلیم محض انفرادی عبادت تک محدود نہیں رہے گی بلکہ اجتماعی نظم کو بھی بدل دے گی۔ مدرسہ، سکول، یونیورسٹی، مسجد، عدالت، بازار، میڈیا ہاؤس اور حکومتی دفتر سب قرآنی اخلاق کے دائرے میں آئیں گے۔ یہی قرآنی قصص کی سب سے بڑی عصری معنویت ہے۔

نتیجہ بحث

قرآنی قصص میں معاشرتی تعلقات کے مثبت رویے ایک مکمل اخلاقی نظام بناتے ہیں۔ عفو تعلقات کو ٹوٹنے سے بچاتا ہے،

ہمدردی اصلاح کو قابلِ قبول بناتی ہے، اخوت انسان کو تنہائی سے نکالتی ہے، صلہ رحمی خاندان کو مضبوط کرتی ہے، نرم گفتگو دلوں کو قریب کرتی ہے، صبر اصلاح کو پائیدار بناتا ہے، مہمان نوازی سماجی کشادگی پیدا کرتی ہے، حیا تعلقات کو پاکیزہ رکھتی ہے، علم انسان کو متواضع بناتا ہے، دیانت بازار کو محفوظ کرتی ہے، اور عدل اقتدار کو خدمت میں بدلتا ہے۔ ان رویوں کی عصری معنویت نہایت واضح ہے۔ آج کا معاشرہ قانون، ٹیکنالوجی اور معیشت کے باوجود اخلاقی خلا کا شکار ہے۔ قرآن اس خلا کو قصص کے ذریعے بھرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ قصص ماضی کی یادگار نہیں؛ حال کی ضرورت اور مستقبل کی بنیاد ہیں۔ اگر انہیں گھروں، تعلیمی اداروں، میڈیا، بازار اور ریاستی نظام میں زندہ کیا جائے تو معاشرتی تعلقات میں اعتماد، امن، وقار اور رحمت پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا قرآنی قصص کا مطالعہ صرف تفسیری یا ادبی مشغلہ نہیں رہنا چاہیے بلکہ اسے سماجی اصلاح کا عملی نصاب بنایا جانا چاہیے۔ یہی اس مقالے کا حاصل ہے کہ قرآن انسان کو صرف نجاتِ آخرت کا راستہ نہیں دکھاتا؛ وہ دنیا میں بھی پاکیزہ، عادل، مربوط اور باوقار معاشرہ تشکیل دینے کی مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

عملی سفارشات

- اول: خاندانی سطح پر ہفتہ وار "قرآنی قصہ نشست" رکھی جائے جس میں والدین بچوں کے ساتھ ایک قصہ پڑھیں، اس کا اخلاقی سبق گفتگو کے ذریعے واضح کریں، اور گھر کے کسی عملی مسئلے سے جوڑیں۔
- دوم: مدارس اور سکولوں میں قرآنی قصص کو اخلاقی تربیت، گفتگو، کردار سازی اور شہری ذمہ داری کے نصاب سے منسلک کیا جائے۔
- سوم: خطباتِ جمعہ اور دینی دروس میں قصص کو صرف تاریخی بیان کے طور پر نہیں بلکہ معاشرتی اصلاح کے موضوعات کے طور پر پیش کیا جائے؛ مثلاً "یوسف علیہ السلام اور خاندانی معافی"، "شعیب علیہ السلام اور کاروباری دیانت"، "لقمان علیہ السلام اور تربیتِ اولاد"، "موسیٰ علیہ السلام اور نرم گفتگو"۔
- چہارم: میڈیا اور سوشل میڈیا پر قرآنی قصص کی روشنی میں اخلاقی مہمات چلائی جائیں: نرم کلامی، بزرگوں کا احترام، رشتہ داروں سے تعلق، کاروبار میں سچائی، نوجوانوں کی حیا، اور اختلاف میں تہذیب۔
- پنجم: ادارہ جاتی سطح پر امانت، شفافیت، مشاورت اور انصاف کو قرآنی اقدار کے طور پر نافذ کیا جائے۔

References

1 Ibn Manẓūr, Muḥammad ibn Mukarram, Lisān al-ʿArab, (Bayrūt: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1998), vol. 7, p. 73.
2 al-Qurʾān, 18:64.
3 al-Qurʾān, 11:120.
4 al-Qurʾān, 12:111.
5 Mannāʿ al-Qaṭṭān, Khalīl ibn, Mabāḥith fī ʿUlūm al-Qurʾān, Bayrūt: Maktabat al-Maʿārif, 2000, p. 311.
6 Shāh Walī Allāh al-Dihlawī, al-Fawz al-Kabīr, (al-Qāhirah: Dār al-Ṣaḥwah, n.d.), p. 23.
7 Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān, Muqaddimah Ibn Khaldūn, (al-Qāhirah: Dār Nahḍat Miṣr, 2002), p. 41.
8 al-Qurʾān, 11:45-46.
9 al-Qurʾān, 12:92.
10 al-Qurʾān, 31:13-19.
11 al-Qurʾān, 12:3.
12 al-Qurʾān, 12:92.
13 Shafīʿ, Muftī Muḥammad, Maʿārif al-Qurʾān, (Karachi: Idārat al-Maʿārif, 2015), 4:215.
14 al-Qurʾān, 7:199.
15 al-Qurʾān, 71:5-20.
16 al-Qurʾān, 20:44.
17 Mawdūdī, Sayyid Abū al-Aʿlā, Tafhīm al-Qurʾān, (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, n.d), 3:111.
18 al-Qurʾān, 12:18, 12:98.
19 al-Qurʾān, 20:44.
20 al-Qurʾān, 31:18-19.
21 al-Qurʾān, 12:36-41.
22 al-Qurʾān, 12:18.
23 al-Qurʾān, 11:69; al-Qurʾān, 51:24-27.
24 al-Qurʾān, 12:23-24.
25 al-Qurʾān, 3:42-47.
26 al-Qurʾān, 18:60-82.
27 al-Qurʾān, 38:21-26.
28 al-Qurʾān, 27:15-44.
29 al-Qurʾān, 7:85, al-Qurʾān, 11:84-87.
30 al-Qurʾān, 2:246-251.
31 al-Qurʾān, 38:26.
32 al-Qurʾān, 27:29-44.
33 al-Qurʾān, 6:74-79.
34 al-Qurʾān, 27:28-31.
35 al-Qurʾān, 5:27-31.
36 al-Qurʾān, 12:8-18.
37 al-Qurʾān, 28:4.
38 al-Qurʾān, 7:80-84.
39 al-Qurʾān, 12:18.
40 al-Qurʾān, 20:44.
41 al-Qurʾān, 31:19.
42 al-Qurʾān, 27:32.
43 al-Qurʾān, 11:84-85.